اردو متن میں تعبیریت کا کردار

ڈاکٹر فضیلت بانو
پوسٹ ڈاکٹریٹ اسکالر
ڈاکٹر بصیرہ عنبرین
ڈائریکٹر اقبال اکادمی لاہور

تلخیص: ادب کسی بھی زبان کا وہ دم فروغ ہے جو صرف لفظ یا اسلوب تک محدود نہیں رہتا بلکہ اپنی تہہ دار ساخت کی بدولت ہر دور اور ہر قاری کے لیے نئے معنی پیش کرتا ہے۔ تعبیر اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے قاری، نقاد یا محقق ایک ادبی متن کے اندرونی معانی، پوشیدہ و ضمنی اشارے، علامتی سطح اور فلسفیانہ پرتوں کو دریافت کرتا ہے۔ ادب میں متن کی خوبصورتی یہ ہے کہ الفاظ کے چناؤ میں ظاہری و باطنی مفاہیم کو پیش نظر رکھا جائے۔ ادب محض الفاظ کے ہنر مندانہ استعمال کا نام نہیں بلکہ معنی آفرینی اور فکر انگیزی کا بھی مظہر ہے۔ ہر ادبی متن اپنے اندر کئی جہتیں، تہیں اور امکانات رکھتا ہے۔ ان امکانات کی بازیافت اور معنویت کو اجاگر کرنے کے عمل کو تعبیر کہا جاتا ہے۔ تعبیریت (Interpretation) دراصل وہ فکری و تنقیدی رویہ ہے جس کے ذریعے قاری متن کے ظاہری اور باطنی معنی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اردو ادب کی تنقیدی تاریخ میں بھی یہ بحث ہمیشہ اہم رہی ہے کہ متن کا اصل خالق مصنف ہے یا قاری اور معنی کی جڑت کہاں سے وجود میں آتی ہے۔

کلیدی الفاظ: ادب، سماج، تنقید، روایت، عمل، فن

"اردو ادب کی تنقیدی روایت میں تعبیریت ایک ایسا فکری و فنی رویہ ہے جس نے متن کے فہم و تجزیہ میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ تعبیرت سے مراد وہ تنقیدی عمل قاری یا ناقد متن کے پس منظر، اسلوب، اسالیب بیان اور علامتی و فکری جہات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اردو متن میں تعبیریت کا کردار محض ایک ادبی اصطلاح نہیں، بلکہ یہ ایک فکری کینوس ہے جو متن کو معنویت، تنوع اور تاویلی وسعت عطا کرتا ہے"۔[1]

تعبیریت کے پس منظر کے طور پر دیکھا جائے تو اردو ادب میں تنقید ہمیشہ سے کسی نہ کسی درجے میں تعبیری رویے سے وابستہ رہی ہے۔ چاہے وہ روایت پر مبنی مذہبی و اخلاقی تعبیر ہو یا جمالیاتی اور فنکارانہ تجزیہ ہو، ہر دور میں ادب کو معنی دینے کی کوشش تعبیریت کے بغیر ممکن نہ تھی اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ تعبیریت اردو

متن کو زندہ فعال اور قاری کے لیے قابل فہم بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ادب محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی فکر، احساسات اور تجربات کا مظہر ہوتا ہے۔ ہر ادبی متن اپنے اندر کئی سطحیں اور کئی معنی سموئے ہوئے ہوتا ہے جنہیں قاری اپنی بصیرت، شعور اور فکری پس منظر کی روشنی میں دریافت کرتا ہے۔ دریافت کے اس عمل کو تنقیدی اصطلاح میں تعبیر کہا جاتا ہے۔اس طرح تعبیریت وہ علمی اور فکری رویہ ہے جس کے ذریعے کسی متن کی معنویت کو کھولنے اور اس کی تہوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اردو میں متن کی تعبیریت کا کردار نہایت بنیادی اور ہمہ جہتی ہے۔یہ ادب کو محض لفظی فن پارہ بننے سے بچاتا ہے اور اسے زندہ و متحرک اور کثیر المعانی بناتا ہے۔

میں رمزیہ و استعاراتی اسالیب، صوفیانہ افکار اور روایتی مضامین نے قاری کو ہمہ جہتی تعبیرات پر آمادہ کیا۔

"اردو میں متن کا مطالعہ ہمیشہ براہ راست معنی تک محدود نہیں رہا بلکہ مختلف ادوار میں ناقدین اور اہل علم نے متن کو تہہ در تہہ سمجھنے کی کوشش کی۔ شبلی نعمانی نے کلاسیکی متون کو دینی، تاریخی اور تہذیبی تناظر میں دیکھا۔ جبکہ حالی نے ادب کو اصلاح معاشرہ کا آلہ قرار دے کر اس کی تعبیری جہات کو واضح کیا۔"[۲]

تعبیریت اور ادب کے باہمی تعلق اور ادب کی جمالیات کو سمجھنے کے لیے صرف لفظی معنی کافی نہیں ہوتے بلکہ پس منظر، علامت، اشارہ اور اسلوب بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہیں سے تعبیریت کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ تعبیریت صرف متن کے ظاہری معنی پڑھنے کا عمل نہیں بلکہ اس کے پوشیدہ معنی اور تہہ دار پہلوئوں کو اجاگر کرنے کا عمل ہے۔اس طرح تعبیریت ادب کو زندگی کے قریب تر لے آتی ہے اور قاری کو محض ناظر سے شریک مکالمہ بنا دیتی ہے۔

تعبیریت کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ کوئی متن اپنی داخلی ساخت، خارجی تناظر اور قاری کے ذہنی و فکری رویے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ تعبیریت متن کے ظاہر اور باطن کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ متن کو جامد نہیں رہنے دیتی بلکہ اسے نئے معنی اور نئی معنویت سے مالا مال کرتی ہے۔

اردو ادب میں تعبیریت کا ارتقائی سفر:

اردو ادب کی تاریخ اپنے اندر معنویت کے متعدد زاویے سموئے ہوئے ہے۔ مختلف ادوار میں ادبی متنون کی تعبیر کے رویے بدلتے رہے ہیں۔ ہر دور کے فکری، سماجی اور تہذیبی پس منظر نے تعبیر کو نئے معانی عطا کئے اور قاری کے زاویہ نظر کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ان ادوار کو درج ذیل عنوانات کے تحت دیکھا جا سکتا ہے۔

ا۔کلاسیکی دور، رمزیہ و استعاراتی تعبیرات:

اردو کے کلاسیکی ادب خصوصاً شاعری میں استعاراتی اور علامتی اسلوب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ میر تقی میر، سودا، غالب اور ذوق جیسے شعرا کے ہاں الفاظ کے انسانی نفسیات اور سماجی رویوں کی گہری علامتیں ہیں۔ اس عہد میں تعبیر زیادہ تر جمالیاتی اور صوفیانہ نقطۂ نظر سے کی جاتی تھی۔

۲۔ اصلاحی و تنقیدی دور: (انیسویں صدی)

اور ادب کو "اصلاح قوم" کا ذریعہ قرار دیا۔ شبلی نے تاریخی تنقید کے ذریعے متون کو ان کے زمانے اور تہذیبی سیاق و سباق میں سمجھنے پر زور دیا۔ اس دور میں تعبیریت زیادہ اصلاحی اور اخلاقی رنگ لیے ہوئے تھی۔

۳۔ ترقی پسند دور: (بیسویں صدی کا آغاز)

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کی بنیاد نے تعبیریت کا رخ بدل دیا۔ اس دور میں ادب کو سماجی اور معاشی حقیقت کا عکاس سمجھا گیا اور متون کی تعبیر طبقاتی کشمکش، استحصال اور آزادی کی جدوجہد کے تناظر میں کی جانے لگی۔ فیض احمد فیض، سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی اور کرشن چندر کے متون کو انقلابی اور سماجی حقیقت پسندی کے زاویے سے تعبیر کیا گیا اور اس دور میں ادب کو "سماج کا آئینہ" کہا گیا۔

"ترقی پسند تحریک کے زیر اثر متن کو طبقاتی اور سماجی تناظر میں تعمیر کیا گیا، اور جدیدیت کے دور میں متن کو افرادی وجود اور شعور کے تناظر میں پرکھا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو متن میں تعبیریت کا کردار مختلف فکری اور ادبی مکاتب فکر کے زیر اثر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا اور پھیلتا رہا ہے"۔[۳]

۴۔ جدیدیت کا دور:

۱۹۶۰ء کے بعد جدیدیت نے اردو ادب میں تعبیریت کے نئے در وا کیے۔ اس دور میں متن کو اس کی داخلی ساخت کے حوالے سے دیکھا جانے لگا۔ ساختیات اور لسانیات کے اصولوں نے ادب کو معنی دینے کے عمل کو زیادہ منظم اور سائنسی بنایا۔ متن کو مصنف کی منشا یا قاری کے ذوق کی بجائے "خود مختار حقیقت" کے طور پر تعبیر کیا جانے لگا۔ ن م راشد اور میراجی جیسے شعرا کے متون اس دور کی تعبیری جہات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

۵۔ مابعد جدیدیت اور قاری کی مرکزیت:

مابعد جدید عہد میں تعبیریت کا رخ قاری کی جانب مڑ گیا اور "قاری کی شمولیت"(Reader Responce) کو مرکزی حیثیت ملی اور متن کو ایک کھلا اور لا محدود معنی خیز عمل قرار دیا گیا جس کی ہر قرات نئے معانی کو جنم دے سکتی ہے۔ ناصر عباس نیّر اور دیگر معاصر نقادوں نے اردو متون کو اس تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے، یوں تعبیریت نے متن، مصنف اور قاری تینوں کے باہمی رشتوں کو زیادہ گہرائی سے سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔

"یوں کہا جاسکتا ہے کہ اردو ادب میں تعبیریت متن کی گہرائی تک رسائی کا بنیادی وسیلہ ہے۔ یہ نہ صرف معنی کے نئے امکانات کو جنم دیتی ہے بلکہ قاری اور مصنف کے درمیان ایک فکری رشتہ قائم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو متن کو سمجھنے میں تعبیریت کا کردار محض اضافی نہیں بلکہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔"[۴]

یہ ارتقائی سفر اس بات کا غماز ہے کہ اردو ادب میں تعبیریت ہمیشہ ایک زندہ اور متحرک عمل رہی ہے۔ ہر دور میں ادب کو نئے زاویوں سے سمجھنے کی کوشش کی گئی اور اس تنوع نے اردو تنقید کو ہمہ جہتی اور ثروت مند بنایا۔

اردو ادب میں تعبیریت کے تاریخی رجحانات:

صوفیانہ تاثر کے تحت کی جاتی رہی ہے۔ حالی اور شبلی کے دور میں متن کو اخلاقی اور قومی شعور کے زاویے سے تعبیر کیا گیا۔ بعد ازاں جدیدیت اور ترقی پسند تحریک

ادب کی تنقید کی تاریخ میں تعبیریت کا کردار وقتی اور سماجی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتا چلا آیا ہے۔ جدیدیت کے بعد لا محدود معنویت پر زور دیا گیا۔

"اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ تعبیریت کا سفر مختلف ادوار سے گزرتا ہوا تشکیل پایا۔ ابتدائی دور میں فارسی ادب کی روایت کے زیر اثر اردو شاعری اور نثر میں معنوی تہہ داری موجود رہی۔ اس زمانے میں صوفیانہ متون کو تعبیری انداز میں سمجھنے کی کوشش کی گئی، مثلاً مولانا روم، صوفی صابر اور امیر خسرو کی فکر نے اردو کے ابتدائی شعری ڈھانچے میں تاویلی جہتیں پیدا کیں۔"[۵]

مابعد جدید دور میں قاری اور متن کے باہمی تعلق پر زور دی گیا، جس نے تعبیریت کو مزید وسعت بخشی اور تعبیریت کے کئی اہم پہلو سامنے آئے، لسانی اور علامتی

کسی بھی متن کی تعبیر اس وقت مکمل ہوتی ہے جب اسے اپنے عہد اور سماجی پس منظر میں دیکھا جائے۔ تعبیریت کے نفسیاتی پہلو کے لحاظ سے قاری اور مصنف دونوں کے نفسیاتی رجحانات معنی کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تعبیریت کے جمالیاتی پہلو سے واضح ہوتا ہے کہ ادب کو صرف پیغام کی ترسیل نہیں بلکہ حسن بیان اور فنی لذت کے اعتبار سے بھی سمجھا جانا چاہیے۔ اردو متن میں تعبیریت متعدد جہات سے کی جاتی ہے جس کے کچھ کلیدی پہلو اس طرح سے واضح کئے جاسکتے ہیں۔

پہلو اہمیت تشریح

لغوی ولسانی تجزیہ یہ بنیاد ہے جس سے معنی کھلتا ہے الفاظ، تراکیب، نحو، بلاغت (تشبیہ، استعارہ، مراعاتِ لفظ، ربط وغیرہ) کا مطالعہ علامتی اور اسنادی سطح متن کو گہرا اور کثیر المعانی بناتا ہے علامتوں، اشاروں، تمثیلوں اور استعاروں کا مطالعہ تاریخی وثقافتی سیاق وسباق معنی کو عہد اور زمانے کی قید سے مصنف کا دور، معاشرتی حالات، تاریخی پس منظر آزاد کرتا ہے۔ زبان ورسم ورواج نفسیاتی، ذہنی زاویہ متن کی تعبیری راہ پر قاری کا مصنف اور قاری کی شخصیت، شعور، ذاتی

کے تناظر میں تعبیر قاری کی شرکت ہر قاری ایک نئی تعبیر پیدا کرتا ہے قاری کا سابقہ تجربہ، ترجیحات اور تشفیِ ذوق ان مختلف پہلوئوں اور زاویوں کا امتزاج ہی اردو متن کو متحرک اور زمان ومکان سے ماورا معنویت عطا کرتا ہے۔ اردو ادب میں تعبیریت کی تاریخ کو بھی کئی ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اردو ادب کے کلاسیکی دور میں ابتدائی اردو شعری ونثری تصانیف میں لغوی وابلاغی پہلوئوں پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی اور متن کی تشریح عموماً ظاہری معنی یا روایتی تفسیر کے دائرے میں ہوتی تھی۔ شعرا اور مفسرین متن کی تشریح معنی کی روشنی میں کرتے مگر اس میں گہری تنقیدی بصیرت کم ہی ملتی تھی۔

"دکن کے شعرا نے تعبیریت کو ایک خاص ذوق اور اسلوب کے ساتھ اپنایا۔ ولی دکنی کی شاعری میں صوفیانہ رموز اور عشقیہ واردات کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا کہ ہر شعر اپنے اندر کئی معنوی پرتیں رکھتا ہے۔"[۶]

عہد خاقانی اور رومی دور میں متن میں عروض کی بنیاد پر تشریحات کا زیادہ رجحان تھا اور معنی کی بازیافت کم ہوتی تھی۔ مگر اس دور کے ادبا مثلاً غالب اور میر نے متکلم معنوں کے امکانات کھولے، جنہیں آنے والے نقاد اور قاری نے مزید وسعت دی۔ حالی اور شبلی کے دور میں تنقید کو عصری، تعبیری اور جدید تشکیلی شکل ملی۔ ہیں ۔یعنی انہوں نے تجریدی معنی تلاش کرنے کی بجائے متن کو ایک تنقیدی فریم ورک دینے کی کوشش کی۔

"کلاسیکی دور میں میر تقی میر، مرزا غالب اور سودا نے متن کی معنوی کائنات کو نئی جہات فراہم کیں۔ میر کے جہاں داخلی کرب، غم حیات اور وجودی سوالات تعبیریت کا مرکزی حوالہ بنے، جبکہ غالب نے اپنے اشعار میں فلسفیانہ اور عارفانہ جہات پیدا کر کے اردو متن کو عالمی سطح کے مباحث سے جوڑ دیا۔[۷]

تعبیر اور تنقید میں بنیادی امتیاز:

تعبیر اور تنقید دو مختلف صورتیں ہیں ان کا استعمال اکثر ملا جلا ہوتا ہے مگر ان کی کارکردگی اور مقاصد مختلف ہیں۔ تعبیر (Interpretation) وہ عمل ہے جس کے ذریعے متن کے معنی کھولے جاتے ہیں اور اس کی علامتیں، استعارات، ضمنی اشارات، اور باطنی مفاہیم کا فہم وادراک کیا جاتا ہے۔ تنقید (Criticism) میں متن کی خوبیاں، نقائص اور اس کی ادبی حیثیت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ متن کس حد تک ادبی معیار پر پورا اترتا ہے اور کس حد تک ناظر یا قاری کی

توقعات یا نظریات سے ہم آہنگ ہے۔ مگر اس کے باوجود تعبیر اور تنقید کو مکمل طور پر الگ نہیں کیا یا سمجھا جاسکتا۔ معنی بتائے اور سمجھائے بغیر تنقید نہیں ہو سکتی اور تنقید کے بغیر معنی بیان نہیں کر سکتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعبیر اور تنقید کا مختلف ہونے کے باوجود آپس میں گہرا ربط ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے معاون ثابت ہوتی ہیں۔ تعبیریت

کیے جاسکتے ہیں۔

اہم تنقید نگاروں کے نظریات اور اردو متن پر اثرات:

حالی نے اپنی کتاب مقدمہ شعر و شاعری کے ذریعے تنقیدی شعور کو اردو ادب کا حصہ بنایا، اور شعر کی اہمیت، زبان و معنی اور ادبی مقصد کو نئے تناظر سے دیکھنے کی

تاریخی و جمالیاتی دونوں زاویوں سے دیکھا۔ حالی اور شبلی دونوں نقاد اردو متن کے معنی کی تعبیر کو اصول و ضوابط سے ہم آہنگ کرنے کے حامی رہے۔ حالی نے تنقید میں لفظ، معنی، ترتیبِ الفاظ اور تفحص الفاظ کو اہمیت دی اور معنی کی طاقت اور حسن کے لیے شاعر کے تخیل، جذبہ اور متناسب زبان کو لازمی قرار دیا۔

حالی اور شبلی کے عہد میں تعبیریت نے زیادہ منظم اور عملی شکل اختیار کی، جہاں مقصد اور سماج کے رشتے کو سامنے رکھ کر ادب کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔

"انیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں حالی اور شبلی نے اردو ادب میں تعبیری رویے کو علمی بنیادوں پر استوار کیا۔ حالی نے ادب کو سماجی اصلاح اور اخلاقی شعور سے تعبیر کیا جبکہ شبلی نے تاریخی و تنقیدی تجربے کو متون کے فہم کا ذریعہ بنایا۔"۸

حالی کے بنیادی تنقیدی نظریات کی بدولت اردو متن کی تعبیریت میں معنی کی حقیقی سمت معلوم کرنے کے لیے معنی کا استقرائی جائزہ ممکن ہوا۔ شبلی نعمانی نے اردو تنقید میں تاریخی رجحان کو پیش کیا اور متن کو اس نظر سے دیکھنے پر زور دیا کہ کس دور میں کس شاعر اور ادیب نے کس پس منظر میں کیا لکھا۔ شبلی نے فارسی اور عربی تنقیدی روایات سے استفادہ کرتے ہوئے علامت، ربط اور بلاغت کی تشریح اردو میں پیش کی۔ تعبیری اور تنقیدی لحاظ سے شبلی نعمانی کا نقطہ نظر وسیع المعانی اور

نظر کو پیش کرتے ہوئے اردو متن پر ساختیاتی اور مابعد جدید نظریات کو لاگو کیا۔ انہوں نے اردو متن کا مطالعہ جدید تناظر میں کرنے کے لیے متن، سیاق و سباق،

لغت، لسانیات اور معنی کی تکرار جیسے موضوعات پر ادبی تنقیدی تشریحات کو پیش کیا۔ ان نقادوں کے نظریات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اردو متن کی تعبیریت کس کس طرح نظریاتی اور عملی تقاضوں کے تابع ہو کر کن کن تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئی۔

"ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں تعبیریت کے تصور کو ایک بالکل نیا رخ عطا کیا۔ اس سے پہلے تعبیریت زیادہ تر داخلی واردات ،صوفیانہ تجربات یا فلسفیانہ سوالات کے گرد گھومتی تھی۔ مگر ترقی پسندوں نے اسے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات کے ساتھ جوڑ دیا۔"۹

اردو ادب میں بیسویں صدی کے مابعد تنقیدی رجحانات نے برصغیر میں تعبیریت کو مزید وسعت دی۔ ترقی پسند تحریک نے متن کو اپنی نظر سے دیکھا اور متن کو طبقاتی، معاشرتی اور استحصالی شعور کے زاویے کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا۔ جدیدیت اور تجرباتی ادب نے زبان، ساخت اور تعبیری تکنیکوں کو زیادہ اہمیت دی اور قاری کو غیر روایتی تعبیر پر مجبور کیا۔ مابعد جدید تنقید نے حقائق اور معلوم معنی کی بحث کو اہمیت دی اور معنی کی لچک اور قاری کی شرکت پر زور دیا۔

"جدید شاعری اور اردو افسانے میں قاری کو اب ایک ایسے متن سے واسطہ پڑتا ہے جو واضح اور براہ راست نہیں بلکہ علامتوں، استعاروں اور تجریدی اسالیب کے ذریعے اپنا مفہوم پیش کرتا ہے۔ ن م راشد اور میراجی کی شاعری اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان کے ہاں تعبیریت ایک کثیر الجہتی اور تاویلی نظام کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جہاں ہر قاری اپنی بصیرت کے مطابق معنی اخذ کرتا ہے۔"۱۰

شرکت کے بغیر ادبی عمل مکمل ہی نہیں ہوتا۔ مغربی ادب کی طرح اردو ادب میں بھی یہ رجحان نمایاں ہے کہ ہر قاری اپنی ذہنی تشکیل اور تجربات کے مطابق متن کی نئی تعبیر کرتا ہے۔ اس طرح ایک ہی متن مختلف ادوار میں نئے معنوں اور جہتوں کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔

تعبیریت کے چیلنجز، تحفظات اور حدود:

تعبیریت کی روشنی میں اردو متن کو سمجھنے کا کام بلاشبہ بہت مشکل اور اہم ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کے کچھ تحفظات، اور حدود بھی وضع کیے گئے ہیں۔

ا۔ قاری کا ذاتی رجحان اور تعصب:

ہر قاری کی ذہنی تشکیل، پس منظر، نظریات اور رجحانات معنی کی تعبیر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح کی صورت حال میں یہ امکان ہوتا ہے کہ ایک ہی متن کی کئی متضاد تعبیرات سامنے آجائیں۔

۲۔ مخصوص نظریے کا دباؤ:

آئیں گی اور دیگر تعبیری معنی چاہے وہ حقیقت پر مبنی ہی کیوں نہ ہوں اس کی نظر سے پوشیدہ رہ جائیں گے۔ اس طرح سے متن کی حقیقی تعبیر صحیح رخ اختیار کرنے سے قاصر رہ سکتی ہے۔

۳۔ معنی کی لامحدودیت کا مسئلہ:

کچھ ماہرین مابعد جدیدیت کے نظریات کے حامل ہونے کے باعث اس بات کے قائل ہیں کہ ہر متن لامتناہی معانی کی کشمکش رکھتا ہے اور اس وجہ سے متن کی کوئی حتمی تعبیر ممکن نہیں۔ ان نظریات کی روشنی میں تعبیریت ایک جامد عمل نہیں بلکہ ایک بدلتا ہوا اور متحرک عمل ہے۔ لامتناہی عمل کی تعبیریت متن کی تعبیر کو مختلف جہتوں اور وسیع رخ میں دیکھنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس صورت میں اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ معنی کی کئی صورتیں سامنے آئیں اور متن مختلف نظریات کا حامل ہونے کے باوجود اختلاف اور متضاد صورت حال کو پیدا نہ ہونے دے۔

۴۔ متن کی تعمیری پیچیدگیاں:

بعض متون ایسے ہوتے ہیں جن کی ساخت عام اور سادہ نہیں ہوتی بلکہ اس میں کچھ ایسی پیچیدگیاں اور ارغوانی ساخت (non-linear structure)، بعد زمانی کی تبدیلیاں، شالیدگی (intertextuaity) وغیرہ ہوتی ہیں جو عام اور سادہ تعبیری عمل کو پیچیدہ بنا دیتی ہیں۔ معنی کی تعبیریت میں ایسی صورت حال بھی مشکل کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ مصنف کی منشا کے مطابق:

بعض تنقید نگاروں کا نظریہ ہے کہ متن کی تعبیریت کو صرف مصنف کی منشا تک محدود نہیں ہونا چاہئے یعنی اس طرح مصنف کی موت کا نظریہ (The death of the Author) پوری طرح سامنے آتا ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے تعبیریت بعض اوقات متن کی اصل روح تک نہ پہنچ سکے۔

۶۔ قاری کی شراکت:

اردو متن میں تعبیریت کا کردار نہایت اہم اور لا محدود ہے۔ تعبیریت سے کوئی نظم، قصیدہ یا نثر قاری کی دلچسپی کے مطابق رنگ اختیار کر سکتے ہیں۔ تعبیریت نے اردو تنقید کو محض فیصلہ کرنے یا تجزیہ کرنے تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ اس کے دائرہ کار کو وسیع کر کے معنی و مفہوم کی تخلیق میں قاری کی شرکت کو بھی اہم قرار دیا۔

متن کے تعبیری مطالعہ کی بہتر صورتیں:

ا۔ متن کے بہتر تعبیری مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ متن کو مختلف طبقات میں تقسیم کر کے اسے لغوی، علامتی، نفسیاتی اور تاریخی حیثیت سے الگ الگ کر کے

حیثیتوں سے جانچا جائے گا۔

۲۔ جدید نظریات سے واقفیت:

۔ کیوں کہ متن اپنے اندر تمام قسم کے یا کسی نہ کسی نظریے کو سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ ان نظریات سے پوری طرح آگاہی تعبیریت کے عمل کو مضبوط بناتی ہے۔

۳۔ تعصب اور جانبداری سے گریز:

قاری کی سوچ اور نظریہ بہت وسیع ہونا چاہئے۔ تعبیری عمل میں کسی بھی قسم کا تعصب اور ذاتی یا رجحان شامل نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہر قسم کے ذاتی تعصب یا رجحان سے بالاتر ہو کر متن کی تمام ممکنہ صورتوں کا جائزہ لیا جائے تا کہ بہتر تعبیری نتائج سامنے آئیں۔

۴۔ متون کا موازنہ:

ہر ادبی متن ایک مختلف نظریہ کا حامل ہوتا ہے اس لیے ایک متن کو دوسرے ادبی متون یا مختلف متون سے مختلف ادبی روایتوں کے تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ اس طرح معنی کے نئے نئے ابواب کھلیں گے اور متوازن نتائج سامنے آئیں گے۔

۵۔ تعبیری لچک کا مظاہرہ:

یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ کسی بھی متن کی کوئی حتمی تعبیر ممکن نہیں، ہر قاری اس کی ایک نئی تعبیر پیش کر سکتا ہے اس لیے کسی ایک تعبیری معنی پر نتیجہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو متن میں تعبیریت محض مصنف کے پیغام یا الفاظ کی تفہیم کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا تخلیقی عمل ہے جس میں قاری، متن اور مصنف تینوں مل کر معنی کو جنم دیتے ہیں۔

ادب انسانی فکر و شعور کی آئینہ داری کا نام ہے۔ یہ محض الفاظ کا حسین امتزاج یا جذبات کا اظہار نہیں بلکہ تہذیبی، فکری اور نفسیاتی کیفیات کا عکس ہے۔ ادب کے کسی بھی متن کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے قاری کو محض سطحی معنوں تک محدود رہنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کے پس منظر اور اس کے باطن اور اس میں پوشیدہ تہہ دار معنویت تک رسائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہی عمل متن کی تعبیر کو مستحکم کرتا ہے۔ اردو ادب میں صدیوں سے یہ روایت قائم رہی ہے کہ متن کو محض

ظاہری معنویت تک محدود نہ سمجھا جائے بلکہ اس کے اندرونی ڈھانچے اور تہذیبی رشتوں کو بھی پرکھا جائے۔ مثنویات کی رومانوی داستانوں سے لے کر میر و غالب کی غزلوں، اقبال کی فکر انگیز شاعری، ترقی پسند تحریک کے افسانوں اور جدیدیت و مابعد جدیدیت کی نظموں تک ہر دور میں قاری کو متن کی نئی جہتیں دریافت کرنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ یہی اردو ادب کی کثیر المعنویت ہے جسے تعبیری تنقید زیادہ واضح اور مربوط کرتی ہے۔

ہے۔ مغربی نظریات اور اردو ناقدین کی آرا کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو متن کی تفہیم ایک ایسا تعبیری عمل ہے جو نہ صرف ادب کی جمالیات کو ابھارتا ہے بلکہ قاری کو فعال اور شریک کار بھی بناتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد حسن عسکری ۶۔ ولی دکنی، کلیات ولی، ایڈیشن، انجمن ترقی اردو، و، دہلی، ۱۹۵۵ء ص ۸۷

۲۔ شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد اول، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء ص ۴۵

۳۔ سجاد ظہیر، ادبی تنقید اور ترقی پسند تحریک، دہلی: انجمن ترقی پسند مصنفین، ۱۹۴۳ء ص ۳۳

۴۔ گوپی چند نارنگ، جدید تنقیدی مباحث، دہلی، نیشنل پبلیکیشنز ۱۹۹۱ء، ص ۲۱

۵۔ مولانا روم، مثنوی معنوی، مترجم، رومی بکس لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۵

۶۔ ادب کی تنقید، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲

۷۔ مرزا غالب، دیوان غالب (نسخہ عرشی)، انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۶۹ء ص ۲۰۳

۸۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۸۳ء ص ۳۴

۹۔ خلیل الرحمن اعظمی، اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک، مکتبہ جامعہ ۱۹۷۹ء ص ۱۵

۱۰۔ ن م راشد، حسن کوزہ گر، لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۵۵ء ص ۴۱

☆☆☆